بجناب عباداللہ صاحب

حقیقت الروح
اور
اس کے خلود پر
ایک نظر

حکمائے یونان وغیرہ کا علمی گروہ اس بات کا معترف ہے کہ رُوح ایک جوہر مجرد ہے۔ رُوح کے متعلق طبی تحقیقات کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ بدن میں ایک بھاپ ہے جو اخلاط کی خلا سے پیدا ہوتی ہے جسے نسمہ یا روح حیوانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی کی حیات ریز نفخوں میں تدبیر غذا اور قوام بدن کی کل احساسات اور حرکات موجزن ہیں۔ یہی بھاپ روح ہے۔ اس کی رقت، سیلان اور صفائی پر قوائے بدن کی سلامتی ہے۔ اور اس کا تکدر و غفلت ضعف و اضمحلال کا موجب۔ یہ بھاپ جن اعضاء سے متعلق ہوتی ہے یا جہاں جہاں یہ بھاپ بنتی ہے اگر وہاں کوئی صدمہ پہنچے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے اور اس کے تمام متعلقہ عضو بیکار یا پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسی بھاپ کی موجودگی کا نام زندگی اور اس کی فنا کا نام موت ہے۔ اس بھاپ کے سوا رُوح کی اور کوئی حقیقت نہیں۔ جس پر غور کرنے کی گنجائش ہو۔

طبی تحقیقات کی اس تفریط نے دنیا میں دہریت اور لامذہبیت کو بہت تقویت پہنچائی اسی تحقیقات کے زعم باطل پر یورپ نے رُوح کی علیحدہ ہستی سے انکار کر دیا۔ اسی تاثر کے

تحت چکبست لکھنوی نے یہ شعر کہا ہے

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں افلاطون کہتا ہے کہ رُوح کی حقیقت معلوم کرنا محال ہے، کیونکہ عقل انسانی آج تک دنیا کی کسی ایک چیز کی حقیقت حقہ دعوٰی کے ساتھ پیش نہیں کرسکی، وہ اپنے فلسفۂ رُوح میں لکھتا ہے:

"جہاں تک کہ مسئلہ روح کو علم طبیعات سے تعلق ہے (جو عقلی موشگافیوں کی مرہون منّت ہے) وہاں تک اس کا کوئی صحیح نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ اشیاء فانی کسی علم میں داخل نہیں۔ صرف علم اعیان ہی سب سے زیادہ یقینی علم ہے کیوں کہ علم طبیعات میں ہم کو صرف ممکنات پر قانع ہونا پڑتا ہے۔ اور ممکنات ناممکن ہیں اس لئے لامحالہ مذہب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔"

افلاطون روح کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ رُوح عقل کا نام ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"خالق کے حکم پر ان معبودوں اور خاص کر زمین نے عضوی ہستیاں پیدا کیں، ان سب میں اشرف انسان تھا جس کے لئے دنیا کی تمام چیزیں پیدا کی گئیں انسان خلاصۂ کائنات ہے اس کی رُوح کو عقل عطا کی گئی۔"

افلاطون کی مراد روح سے یہاں "جسم ہوائی"[1] ہے۔ کیونکہ دیگر حکماء کی طرح وہ ایک بخار کو جو ترکیب عنصر سے پیدا ہوتا ہے رُوح کہتا ہے اس لئے اس نے روح دو[2] قسمیں کردی ہیں، ایک "روحِ عاقلہ" جس کو وہ قدیم مانتا ہے۔ اور دوسری "لاعاقلہ" جس کو وہ فانی تصور کرتا ہے۔ اول الذکر کا مسکن دماغ ٹھہراتا ہے اور دوسری کا مستقر صدر اور بطن۔

---

[1] حکماء کا خیال ہے کہ جسم حیوانی جو ترکیب عناصر کا نتیجہ ہے اور جس میں مختلف قسم کے اعضاء ہیں اس میں بھی ایک جسم سیال ہوائی موجود ہے جو حیوانات میں زندگی، ارادہ اور تہیج کا باعث ہے۔ اس کو بعضوں نے مطلق روح اور بعض نے نسمہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

ارسطو نے رُوح کی اس طرح تعریف کی ہے :

بانها الاصل والصورة الاولی الجسم طبیعی ممتنع بحیاة بالقوة. وہ (رُوح) اصل ہے اور جسمِ طبیعی کی پہلی صُورت ہے جس کی وجہ سے وہ قوت کے ذریعہ زندگی سے تمتع ہے۔"

اس نے رُوح کی تین[۳] قسمیں کی ہیں (۱) رُوحِ حاسہ یا حیوانیہ (۲) رُوحِ عاقلہ (۳) رُوح غاذیہ۔

ابن رشد نے بھی ارسطو کا مذہب اختیار کیا ہے۔ ڈیکارٹ صرف رُوح عاقلہ کا قائل ہے۔ فیثاغورث جو حضرت موسیٰؑ سے چھ سو سال پہلے مرا ہے اس کا خیال ہے کہ روح ایک وحدت[۵] وجود قائم بالذات ہے اور اس کا تعدد اس کی حرکتِ ذاتی سے ہے اور وہ ادراکِ محض ہے۔ مولانا شبلیؒ نے سوانح مولانا رومؒ میں ارسطو کی کتاب "اتولوجیا" کا حوالہ دیتے ہوئے فیثاغورث کا مذہب نقل کیا ہے :

---

[۵] رُوح واجب الوجود ہے یا ممکن الوجود؟ ویدک تحقیق یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے، ازلی ہے اس کی صفت اور عادت (پرورش وغیرہ) ازلی اور ذاتی ہیں۔ یہ خیالات بالکل فلسفیانہ ہیں، مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال اٹھتا ہے کہ جب رُوح اپنی ذات کے اعتبار سے کامل ہوئی تو صفات میں کامل ہوگی یا ناقص؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو خدا اور روح میں مابہ الامتیاز چیز کیا ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے یعنی یہ کہ روح کی صفات بہ نسبت خدا کے ناقص ہیں جیسا کہ آریہ صاحبان کا عقیدہ ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رُوح ان پر مرتبۂ ذات میں کامل ہے (کیونکہ وہ واجب الوجود ہے، یہی اس کے کمال ذاتی ہیں) تو مرتبۂ صفات میں نقصان کی کیا وجہ؟ کیونکہ کوئی ذات مقتضیٔ نقصان نہیں تو ضرور ہے کہ رُوح کی جملہ صفات بھی ذاتِ خداوندی کی طرح کامل ہوں اور رُوح کو اس کی ذات وصفات میں کامل ماننا شرک فی التوحید ہے چونکہ شرک فی التوحید عقلاً باطل ہے اس لئے رُوح کا واجب ہونا بھی باطل۔ بہرکیف اسلامی تحقیق یہ ہے کہ رُوح حادث اور مخلوق ہے اور اس کا حدوث یقینی ہے۔

فان اصحاب فیثاغورث وصفوا النفس فیثاغورث کے پیرو اس بات کے قائل ہیں
فقالوا انها ایتلاف الاجرام کالاستیلاف کہ رُوح عناصر کی ترکیب کا نام ہے۔ عود
الکائن فی ارتاد العود . کے تاروں کی طرح۔

مولانا نے "نفس" کا ترجمہ "روح" کے ساتھ کیا ہے لیکن ہم نے فیثاغورث کا قول (جس کا تذکرہ اُوپر آچکا ہے) دائرۃ المعارف فرید وجدی سے نقل کیا ہے، بظاہر اس میں اور اُس میں تناقض معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ فیثاغورث کے پیرو جس نفس کی تعریف کر رہے ہیں وہ بخار ہے جو جسم کی عنصری ترکیب سے پیدا ہوتا ہے اور وہ درّاک نہیں ہوتا گو اس میں ایک قسم کی وحدت ہوتی ہے لیکن وہ قائم بذاتہ نہیں ہوتا اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روح حیوانی (نسمہ) کی تعریف کر رہے ہیں نہ کہ روح عاقلہ کی۔

ایک مشکل اور ہے کہ مولانا شبلی فیثاغورث کے اس قول کو اس امر کی تائید میں پیش کر رہے ہیں کہ حکماء وطبیعین کے ساتھ فیثاغورث بھی اس امر کا قائل تھا کہ ترکیب عناصر سے جو بخار پیدا ہوتا ہے اس کا نام روح ہے۔ حالانکہ وہ بخار کو روح تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو اس چیز کو روح کہتا ہے جو واحد قائم بذاتہ ہو اور نفس (یعنی روح حیوانی) اس صفت سے عاری ہے۔ غالباً نفس کا ترجمہ کرتے وقت مولانا نے غور نہیں فرمایا۔ سوانح مولانا روم سے وہ عبارت نقل کئے دیتے ہیں جس نے ہمیں خلجان میں ڈالا ہے۔ رُوح کے ماتحت یہ عبارت ہے:

"روح کے متعلق اہل علم کی رائیں بہت مختلف ہیں، حکمائے طبیعین اور جالینوس اور فیثاغورث کا یہ مذہب ہے کہ رُوح کوئی جداگانہ چیز نہیں بلکہ ترکیب عناصر سے جو خاص مزاج پیدا ہوتا ہے اس کا نام رُوح ہے" الخ

صوفیاء اور حکمائے اسلام کا یہ مذہب ہے کہ

"روح ایک جوہر مستقل ہے جو بدن سے بطور ایک آلہ کے کام لیتا ہے۔ اور بدن کے فنا ہوجانے سے اس کی ذات میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ البتہ آلہ کے نہ ہونے سے جو کام وہ کرتا تھا وہ رک جاتا ہے"

حیوانات میں کوئی ایسی چیز ہے جو تعقّل کا باعث ہے اور ہم اسی کو رُوح کہتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ روح عین ادراک نہیں بلکہ ادراک اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور سب میں ممتاز صفت ہے۔ یہ مولانا روم کا خیال ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ادراک میں فرقِ مراتب ہے، کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ اس لئے جس کے پاس جیسا ادراک ہے اس کی رُوح اتنی ہی قوی ہے اور یہ بالکل یقینی بات ہے کیونکہ رُوح کے پاس اگر ذہنی دماغی آلات صحیح، تندرست اور قوی ہیں تو وہ زیادہ ادراک کرسکتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

جان چہ باشد باخبر از خیر و شر شاد از احسان دگریاں از ضرر
اقتضائے جان چو اے دل آگہیست ہر کہ آگہ تر بود جانش قوی ست

انسان اور حیوان میں رُوح ایک ہی جنس سے ہے کیونکہ رُوحِ حقیقی کا تعلق اس سیال ہوائی مادہ سے ہوتا ہے جس کو نسمہ یا بخار کہا جاتا ہے اور اس کا تعلق انسان اور حیوان میں تعقل اور ادراک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان اور حیوان کے بعض افعال ایسے ہیں جو آپس میں مشترک ہیں اور بعض ایسے کہ جو انسان ہی سے صادر ہوتے ہیں اور حیوانات سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رُوح فی نفسہٖ مدرک، ذی ارادہ اور مصدر افعال ہے لیکن اس کا مُدرک، ذی ارادہ اور مصدر افعال ہونا اس پر منحصر ہے کہ اس کا تعلق نسمہ سے ہو۔ اب یہ نسمہ جیسے جسم کا ہوگا اس جسم کی صورت نوعیہ کے موافق ویسے ہی افعال صادر ہوں گے۔ انسان کے دماغ کی ساخت جیسی ہوگی ویسی ہی اس کی ذہنیت اور تعقل ہوگا۔ انسان کے تمام اعضاء کی بناوٹ ہر دوسرے انسان سے مختلف ہے اس لئے بعض انسان عقلمند عالم اور بعض بیوقوف اور جاہل ہیں۔ اور پھر عقلاء میں بھی تفاوت موجود ہے غرض انسانی نسمہ کی مشین کے جیسے پرزے ہوتے ہیں ویسے ہی افعال اس سے صادر ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ انسانوں اور حیوانوں کی رُوح ایک ہی جنس کی ہے مگر اس کے آلاتِ کار مختلف ہیں۔

رُوح کے متعلق فخرالدین رازیؒ، امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خیالات کا

خلاصہ درج ذیل ہے :

"روح جس کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے طبعی روح کے علاوہ ایک دوسری جداگانہ چیز ہے، وہ ایک جوہر بسیط اور ناقابل انقسام شئے ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ازلی اور واجب الوجود ہے، ادراک و تعقل اس کے اوصاف ہیں مگر چونکہ وہ کوئی حسی شئے نہیں اس لئے مثال دے کر سمجھانا مشکل ہے۔

اس رُوح کو رُوحِ حیوانی سے ایک خاص قسم کا نامعلوم تعلق ہے۔ ابتداءً اس روح کو رُوح حیوانی سے تعلق ہوتا ہے، پھر بدن سے کیونکہ بدن رُوح حیوانی سے مرکب ہے۔ گویا رُوحِ حیوانی سے عالم قدس کا ایک روزن ہے، جب روح حیوانی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے تو روح بسیط کا اس پر نزول ہوتا ہے۔ تغیرات صرف جسم اور روح حیوانی پر عائد ہوتے ہیں۔ روح بسیط بہرحال اس سے مستثنیٰ رہتی ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ کیا روح جسم کی مفارقت کے بعد باقی رہتی ہے یا فنا ہوجاتی ہے ؟ مضمون کے پہلے حصے میں روح کے متعلق مذہبی حقائق کو اس لئے پیش نہیں کیا گیا کہ دنیا کے تمام مذاہب رُوح کی حقیقت پر فلسفیانہ اندازی سے محترز رہے ہیں لیکن خلودِ رُوح کا مسئلہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس مسئلے پر بھی ہم حکماءِ قدیم کے خیالات پیش کریں گے۔

ہندوؤں کا خیال

قدیم ہندوؤں کا اعتقاد تھا کہ "روح "نفخہ الٰہیہ" ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو رُوح اک نورانی شفاف جسم میں چلی جاتی ہے جس کو زندہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ پھر وہ ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کرتی ہے۔" یہ خیال اس خیال کے قریب ہے کہ

"روح کے لئے ایک مادّی غلاف ہے (نسمہ)، جو بے انتہا لطیف ہے اور جس پر فطرت کے تفرق و اتصال کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ وہ (نسمہ) تحلیل و ترکیب سے آزاد ہے اور رُوح اسی جسم میں عالم ثانی میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اس خیال میں اور ہندوؤں کے پہلے خیال میں چنداں فرق نہیں۔

مصریوں کا خیال

مسیحؑ سے پانچ ہزار سال پہلے مصریوں کا روح کے متعلق یہ خیال تھا کہ "روح کا ایک حالت سے دوسری لطیف حالت میں منتقل ہوجانے کا نام "موت" ہے۔ جب روح جسم مادّی سے نکل جاتی ہے تو دوسرے لطیف اور پاکیزہ جسم کا لباس پہن لیتی ہے جو دنیوی لباس (جسم) سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے پھر اس پر مؤثرات عالم اثرانداز نہیں ہو سکتے۔

چینیوں کا خیال

چینی تمام قوموں کے مقابلہ میں روح کی قدامت پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔

کنفیوشش جو موسیٰؑ سے چھ سو سال پہلے ہوا ہے اس کی ولادت سے بھی بہت قبل چینیوں میں روح کی پرستش کا وجود تھا۔ رُوح کے متعلق کنفیوشش کا یہ خیال تھا کہ

"روح کے لئے ایک جسمانی غلاف ہے جو دنیاوی جسموں سے بالکل مختلف ہے، اور جس پر فنا کا اثر نہیں ہو سکتا۔"

وہ یہ بھی کہتا تھا کہ

"روحیں ہمارا ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ان کو یہ طاقت ہے کہ وہ ہم کو جسمانی مظاہر میں نظر بھی آسکیں۔"

مسلمان بھی اس امر کے قائل ہیں کہ ارواحِ لطیفہ (فرشتے) مادّی صورتوں میں جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ابن عربی اپنے مقدمہ فصوص الحکم میں لکھتے ہیں کہ

"عالم مثال میں جو چیزیں موجود ہیں یہ دنیا اس کا عکس اور ظل ہے۔ یہاں پر جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ عالم مثال میں پہلے ہو چکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ جب دنیا میں ان صورتوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے جن کے نوع کی دنیا میں کوئی صورت موجود نہیں (مثلاً فرشتے کہ ان کی صورت نوعی پر دنیا کی کوئی مخلوق نہیں) تو ان کو ان صورتوں میں متشکل کر کے بھیجتا ہے جن میں اور ان میں کچھ مناسبت ہو، جیسے جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیۃ الکلبی اور دوسرے اعرابی کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اور سوالات کئے۔"

ہمارا ذاتی خیال ہے کہ ارواحِ عالیہ ہی متشکل ہوسکتی ہیں نہ کہ ارواح انسانیہ بعد الموت متشکل ہوکر دنیائے مادی میں آسکتی ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چینی ارواح عالیہ کا متشکل ہونا مانتے تھے یا ارواحِ انسانیہ کا۔"

ایرانیوں کا خیال

زرتشت کی اس بارے میں تعلیم یہ ہے کہ "رُوحِ ازلی (خدا) کے علاوہ دو روحیں اور ہیں جس میں سے ایک کا نام "یزدان" اور دوسرے کا "اہرمن" ہے اور آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یزدان کا کام ایجاد اور تخلیق ہے اور اھرمن کا فنا و تخریب۔ یزدان اور اہرمن میں ہمیشہ کش مکش رہتی ہے۔ پھر یزدان کے ماتحت بہت سی روحیں ہیں جو اس کو ایجاد اور تخلیق میں امداد دیتی ہیں۔ اور یزدان کی پیدا کی ہوئی مخلوقات کا تحفظ بھی کرتی ہیں (ان معاون ارواح کا وجود یزدان کے وجود سے مؤخر ہے) حتیٰ کہ ہر انسان کے ساتھ رُوح محافظ ضرور رہتی ہے۔ ان ارواح محافظ کا کام اہرمن کی فرستادہ شریر روحوں کی مدافعت کرنا بھی ہے۔ جو کہ یزدان کے افساد عمل کے واسطے آتی ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے تو رُوحِ محافظ آسمان پر چلی جاتی ہے تاکہ استقبال ابدی سے متمتع ہو۔"

ایرانیوں نے روح کے مسئلے پر گہری روشنی نہیں ڈالی۔ محض روح کی تقسیم کردی اور کائنات کے کارکنوں کا یقین پیش کیا۔ انھوں نے نہیں بتایا کہ رُوحِ حافظ کے علاوہ جسم میں کوئی اور رُوح بھی ہے یا نہیں، اور وہ موت کے وقت کہاں چلی جاتی ہے بہرحال یہ طے ہے کہ وہ رُوح کے معتقد ضرور تھے۔ زرتشت کی ولادت سے پہلے بھی وہ روح کو مانتے تھے۔ مسلمانوں کا خیال فرشتوں کے متعلق ایرانیوں سے ملتا ہوا ہے مسلمانوں کا بھی یہ خیال ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اس کی حفاظت کے لئے موجود ہے تاکہ وہ اسے شیاطین کے حملوں سے بچائے۔

یونانیوں کا خیال

قدیم یونانی رُوح اور اس کے وجود کے معتقد تھے۔ یونانی بھی اس امر کے معتقد ہیں کہ ہر انسان کے واسطے ایک رُوح ہے جو اس کی

حفاظت کرتی ہے اور جس میں انسان کی شخصیت معنوی مثلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عام لوگوں کے لئے ارواح عام محافظ ہوتی ہیں لیکن عقلاء اور دیگر معزز لوگوں کی ارواح عالیہ محافظ ہوا کرتی ہے۔

ارسطاطالیس جو ساڑھے چھ سو سال قبل مسیح ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ

"عالم ارواح اور شیاطین سے بھرا ہوا ہے جو ہمارے آگے پیچھے دائیں بائیں حرکت کرتی رہتی ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتیں حالانکہ وہ ہمارا مشاہدہ کرتی رہتی ہے۔"

سُقراط اور اس کے ہمخیالوں کی رائے ہے کہ

"انسان اور خدا کے درمیان ایک لمبی مسافت ہے اس وجہ سے عالم ناسوت ارواح متوسط سے بھرا ہوا ہے۔ بایں خیال کہ یہ ارواح انسانی جماعتوں اور افراد کی حفاظت کیا کریں اور غیب سے انسانوں کے پاس وحی لایا کریں۔"

سقراط کا خیال تھا کہ رُوح جسم کی تخلیق سے پہلے موجود تھی اور ازلی عرفان سے متمتع تھی لیکن جیسے ہی اس کا جسم سے تعلق ہوا وہ سب کچھ بھول گئی۔ جسم میں داخل ہونے کے بعد وہ خاص خاص باتیں زندگی کی ضروریات اور ماحول کے تاثر سے سیکھ لیتی ہے اور اس کو جزئیات میں استعمالِ عقل و فکر بھی آجاتا ہے لیکن علوم نظری جو سیکھتی ہے وہ اس کا بھولا ہوا سبق ہوتا ہے جو یاد آجاتا ہے۔ جسم کی موت کے بعد وہ پھر اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کرلیتی ہے جس میں وہ پہلے تھی۔ اب یا تو عذاب میں مبتلا ہوجاتی ہے یا جنت میں آرام کرتی ہے، یہ اس کے اعمال پر منحصر ہے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہر رُوح کے لئے ایک روح حافظ ہے جو اس کی حفاظت کرتی ہے اور اس کو ایسی باتیں القاء کرتی ہے جو اس کے واسطے مفید زندگی ہوں — وہ کہا کرتا تھا کہ یہ ممکن ہے کہ زندہ انسان روحوں سے باتیں کرنے لگے، کیونکہ ارواح اس عالم میں موجود ہیں اس کے ثبوت میں وہ کہا کرتا تھا کہ

"ایک روح ہے جو مجھ سے باتیں کیا کرتی ہے، جو مجھ کو تمام اُمور میں نیک رائے دیتی ہے، میں اس کی آواز سن سکتا ہوں، میں اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہوں۔"

شری کرشن چندر جی مہاراج نے معرکۂ جنگ میں مہابلی ارجن کو خطاب کرتے ہوئے رُوح کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمائے ہیں وہ بھگوت گیتا میں اب تک مرقوم ہیں اس کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ روح ایک ازلی ابدی اور ناقابلِ فنا شے ہے۔ تغیر اور انقلاب صرف مادہ پر ہوتا ہے، رُوح ٹوٹ سکتی ہے نہ کٹ سکتی ہے۔

رُوح اور قرآن

جب ظلمت کدۂ دنیا میں آفتاب اسلام کا طلوع ہوا اور اس کی ضیاریز کرنیں سطح زمین پر چمکیں تو دور گزشتہ کا وہی پرانا ناقابلِ فہم سوال مشکوٰۃ نبوت کے سامنے پیش ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ تاریخی سوال اس طرح درج ہے: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ —— اے گم گشتگانِ طریقِ ضلالت کے رہبر! لوگ آپ سے رُوح کے متعلق پوچھتے ہیں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ ان سے کہہ دو کہ رُوح امرِ رب ہے۔

اس دو لفظی جواب نے گزشتہ صدیوں کے لاشۂ بے جان میں رُوح پھونک دی۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

(۱) رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ (۲) رُوح خالق ہے یا مخلوق؟ (۳) روح حادث ہے یا قدیم؟ (۴) نسمہ کے علاوہ رُوح کی علیحدہ اور کوئی ہستی ہے یا نہیں؟

ان عقلی احتمالات کے جواب میں صرف قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کہا گیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان لفظوں میں سوال حل ہوا یا نہیں؟ پہلی صورت کو چھوڑ کر باقی تمام شقوں کا جواب اس موجود ہے۔ امر ربی سے معلوم ہوا کہ روح اشیاء ثابتہ میں سے ایک شے ہے، اس کا ایک مستقل بالذات وجود ہے، اسی کے پرتو وجود سے بازارِ ہستی کی رونق ہے، وہ نہ ہو تو جہان محض تودۂ خاک ہے۔ بایں ہمہ وہ مطلق العنان اور قابو سے باہر نہیں، بلکہ وہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کی ذات اور ذاتی صفتیں خود بخود نہیں بلکہ ایک قادرِ مطلق اور واہب الوجود، علیم و قدیر ذات قدسی صفات

کے اثر فعل کا نتیجہ ہے۔ امر ربی اس بات پر بھی دال ہے کہ رُوح کثیف چیز نہیں بلکہ وہ ایک لطیف جوہر ہے۔ کیونکہ عالم میں دو قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے (۱) عالم خلق (۲) عالم امر۔ عالم خلق مادّی اجسام کو کہتے ہیں اور عالم امر لطیف اجسام اور جواہر کو کہتے ہیں۔ انہیں جواہرات میں سے رُوح بھی ایک اعلیٰ جوہر ہے۔ مندرجۂ ذیل شعر میں خواجہ حافظ روحِ لطیف اور رُوحِ کثیف کی تفریق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بنوش مے چو سبک روحی اے حریف مدام
علی الخصوص دراں دم کہ سر گراں داری

آخر میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں درک ماہیت کی استعداد ہی نہیں اس لئے حقیقت پرسی کا سوال ہی مافوق الفطرت ہے۔ اب اشیاء مادّی ہوں یا مجرّد، حسی ہوں یا غیر حسّی، کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنا فطرت انسانی کے دائرۂ امکان سے قطعاً خارج ہے، لیکن حقیقت فہمی کے انکار اور عجز سے اشیاء ثابتہ کا وجود اور ان کے افعال و اثرات کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔

حاصل کلام یہ کہ روح ایک جوہر بسیط شئے ہے جو اپنے اندر ادراک و شعور رکھتی ہے۔ عالم ناسوت میں وہ قفسِ عنصری کے اندر بند ہو کر پھڑپھڑاتی ہے۔ تاہم ادراک و شعور کی تابناک شعاعیں مادی جسم کی چادر سے چھن چھن کر کائنات عالم کے خاکی ذرّوں پر چمکتی ہے۔ ادراک و خیال کا بادپیما مرکب اس کے دست و بازو ہیں، وہ اپنی انانیت پر نہیں بلکہ ایک نادیدہ جمال یار کا مشتاق اور شیفتہ پروانہ ہے۔